www.urdupalace.com

صباحت عمران

پس مرگ

نہ کرتا۔

عسام جو ڈائری لکھا کرتا تھا، آج اس ڈائری کو اپنے سامنے کھول کر بیٹھے میں سوچ رہا ہوں کہ اس ڈائری میں اتنے صفحے خالی کیوں ہیں۔ ایسے اتنے سارے خالی صفحے چھوڑ کر وہ کیوں مر گیا۔ کیا اسے ڈائری میں اور کچھ نہیں لکھنا تھا۔ اس نے قلم کی سیاہی کو بھی کھو کھلا پایا تھا۔ یا وہ لفظوں سے بھی بدلہ لے رہا تھا!۔ وہ ان سے

لوگ زندہ انسانوں کو مار دیتے ہیں اور پھر ان پر ماتم کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ موت اچانک آتی ہے، مجھے لگتا ہے کہ کچھ لوگوں کی موت رینگ رینگ کر آتی ہے۔ وہ ایک تن آور درخت کا بیج بن کر پہلے اندر جگہ بناتی ہے۔ جڑ نکلتی ہے، تنا پھوٹتا ہے، درخت بنتا ہے، پھر درخت کی ناسور چھاؤں روح کے چپے چپے پر سایہ فگن ہو کر اسے موت کی طرف کھینچنے لگتی ہے۔

"ہم لوگوں کو ختم کر دیتے ہیں اپنے رویوں سے، اپنے لفظوں سے اور پھر ان کا سوگ مناتے ہیں۔"

لوگ یہی کہتے ہیں کہ جو زندہ تھا، دیکھو اب وہ مر گیا۔ جبکہ انہیں یہ کہنا چاہیے کہ "وہ جو ایک عرصے سے اندر سے مر رہا تھا آج اس کی موت کا دائمی خاتمہ ہو گیا۔" جب وہ اندر سے مر رہا تھا دراصل تب ہی انہیں اپنا سوگ شروع کر دینا چاہیے تھا۔ لوگ اس انتظار میں کیوں تھے کہ وہ کفن میں لپیٹ دیا جائے اور

www.urdupalace.com

پھر ہی وہ ماتم شروع کریں [illegible] مر جائے اور وہ شور کریں کہ دیکھو وہ تو مر گیا۔۔۔ وہ کیسے مر گیا۔۔۔ کیوں کر مر گیا۔

کیا وہ نہیں جانتے وہ کب مرنا شروع ہوا۔ کیسے مرنا شروع ہوا' کیوں مرنا شروع ہوا۔

کیا وہ بیج جو سب نے مل کر اس کے اندر بو دیا تھا' اس کی روح میں دبا دیا تھا' وہ پھوٹ کر موت نہ بنتا؟ وہ بیج جسے حسد' انتقام' جلن' کم ظرفی' بے حسی' تکبر' خود غرضی' احساس برتری کا پانی دیتے رہے تھے وہ اپنی جڑیں نہ پھیلاتا۔ یہ زہریلا تن آور درخت اس کی روح میں شاخیں نہ پھیلاتا' دماغ کو مفلوج' دل کو ناکارہ رنجیدہ تھا۔ اگر اس سے اپنی زندگی کے دن پورے نہیں ہو سکے تھے تو وہ اپنی ڈائری کے صفحات تو پورے لکھ دیتا۔ اس کی ذات پر جو چیخ ہمیشہ پڑی رہی' وہ چیخ وہ اس ڈائری میں ہی اٹھا دیتا۔

اس کی زندگی جو بڑھاپے تک نہیں جا سکی' کم سے کم یہ ڈائری ہی اپنے آخری صفحے تک چلی جائے۔ اسی لیے اس کے قلم سے اسی کی ڈائری کے ایک خالی صفحے پر میں نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ "عصام مر چکا ہے اور اب لوگوں کا سوگ بھی شروع ہو چکا ہے۔"

میں اس ڈائری میں وہ کون کون سی بات لکھوں کہ اس کے سب خالی صفحے پُر ہو جائیں۔ کیا وہ بات لکھ دوں' جو بازار میں میرے ساتھ ساتھ چلتے اس نے ایک دن کہی تھی۔

"کل یہاں میں نے ایک کمزور سے بوڑھے کو دیکھا تھا۔ وہ ٹھنڈ سے کانپ رہا تھا۔ پھٹے پرانے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے۔ جب میں اس کے قریب سے گزرا اور اس کی طرف غور سے دیکھا تو اس نے بھی میری طرف غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ میں ڈر گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ اس نے مجھ سے کہا۔ "میں ٹھنڈ سے کانپ رہا ہوں اور تو دنیا کی بے حسی سے' اپنی بے قدری سے کانپے گا۔"

بے اختیار میری ہنسی نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ [illegible] شاید [illegible] اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ عجیب سی بات کہہ گیا ہے۔ لیکن اب جب یہ ڈائری اور اس کی زندگی میرے سامنے ہے تو مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ اس بوڑھے کی آنکھوں کی تنبیہہ حقیقت تھی۔

عصام نے اس بوڑھے کی آنکھوں کو ٹھیک سے پڑھ لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ آنکھوں کی تحریریں پڑھنے میں وہ کتنا ماہر تھا۔ اس کا بچپن' لوگوں کی آنکھوں میں جھانکتے جھانکتے بوڑھا ہو گیا تھا۔ جو باتیں اسے معلوم نہیں ہونی چاہیے تھیں' وہ بھی معلوم ہو گئی تھیں۔

اتنی سی عمر میں اس نے دوسروں کی نظروں میں ہتک اور احساس برتری کی تحریریں پڑھنی شروع کر دی تھیں' تحریریں گوشہ نشین تھیں اور وہ ان دوستوں کا کھوجی تھا۔ مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ جو چیزیں اس نے پڑھنی شروع کر دی ہیں وہ اس کے علم میں نہیں' اس کی موت کے امکانات میں اضافہ کریں گی۔ جو چیزیں وہ جاننے' کھوجنے' سوچنے لگا ہے وہ اس کی زندگی کے دن کم کر دیں گی۔ ان دیکھی تحریریں پڑھنے والے بہت جلد مر جاتے ہیں۔

ہر چیز توازن چاہتی ہے تو ہی وہ قائم رہتی ہے۔ عصام متوازن نہیں تھا۔ متوازن ہوتا تو مصنف نہ ہوتا۔ اونچی پہاڑی پر روشن الاؤ کی طرح اس کی شخصیت کا پھیلاؤ اتنا وسیع اور بلند تھا کہ مجھ جیسے شخص کے لیے کوئی ایک پہلو جان لینا بھی بہت ہوتا۔ اس کی ذات کے اتنے رخ تھے کہ اگر میں اسے ان گنت آئینوں کے سامنے کھڑا کر دیتا تو ہر آئینہ ایک الگ صورت دکھاتا۔ اتنی جہتیں رکھنے والے انسان ہوتے ہی کتنے ہیں۔ بہت کم' مٹھی میں سما جانے والے موتیوں جتنے' کچھ قائد' کچھ شاعر' کچھ استاد' کچھ عالم' کچھ خبطی سائنس دان اور کچھ اس جیسے مصنف۔

☼ ☼ ☼

اس کی پہلی کہانی چھپ گئی تھی۔ ایڈیٹر نے تعریفی خط لکھ کر بھیجا تھا۔ خط کافی لمبا تھا لیکن اس کا لب لباب یہ تھا کہ۔

www.urdupalace.com

"اتنی حساس تحریر کم سے کم میری نظروں کے سامنے سے آج تک نہیں گزری۔ موضوع تو وہی پرانا ہے، ایک بیوہ عورت اور اس کی دکھی، مشقت بھری زندگی۔ ہزاروں ایسی بیوائیں دیکھی ہیں لیکن وہ بیوہ نہیں دیکھی جو آپ نے اپنی کہانی میں دکھائی ہے یا تو آپ کا تخیل قابل تعریف ہے، ورنہ شاید آپ کا فکری مناظرہ، آپ نے لفظوں کے جس دیے میں اس بیوہ کے کردار کی جُوت جلادی ہے وہ حیران کن ہے۔"

میں جانتا تھا کہ اس نے کس بیوہ کی کہانی لکھی ہے۔ وہ بیوہ ہمارے اسکول کے چپڑاسی کی بڑی بیٹی تھی۔ جو اسکول کی طرف سے ہی الاٹ اپنے باپ کے دو کمروں کے کواٹر میں اپنے چار یتیم بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ آدھی چھٹی کے وقت کالے چنے اور کبھی کبھی نان ٹکی لگایا کرتی تھی۔ اس بیوہ کو سارا اسکول جانتا تھا پھر سب نے وہ محسوس کیوں نہیں کیا تھا جو عصام نے کرلیا تھا۔ عصام نے کبھی اس سے نان ٹکی لے کر نہیں کھائی تھی۔ وہ آدھی چھٹی کے وقت باجی جی سے کچھ دور جاکر کھڑا ہو جاتا اور اسے دیکھتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اس کے روتے ہوئے چھوٹے بچوں کو بہلانے لگتا تھا۔

گھر والے سب خوش تھے لیکن وہ خوش نہیں ہوسکا۔ دو دن چپ رہنے کے بعد اس نے بس اتنا کہا۔

"کسی کے دکھ پر میں نے اپنی خوشی لکھ دی۔ ٹھیک نہیں کیا شاید۔"

ٹھیک تو اس نے واقعی نہیں کیا تھا۔ کیا ضرورت تھی اتنا غیر معمولی حساس ہونے کی۔ اسے بھی ہم سب گھر والوں کی طرح نارمل ہونا چاہیے۔ باقی دنیا کی طرح بے حس۔ اس نے اپنے دل میں اتنے سوراخ کیوں کر لیے تھے جو شگاف بن کر اسے نگل گئے۔ جب دنیا بے حسی کے چراغ، بے نیازی کے طاقوں پر رکھ کر جلا رہی تھی تو وہ بھی یہی کرتا۔ دنیا بے پیندے کی تھی تو وہ بھی کیوں نا بے پیندے کا ہو گیا۔

اس کی کہانیاں چھپنے لگی تھیں۔ لفظوں کو اس نے جو نئے معنی دیے تھے وہ اس کی کہانیوں کو غیر معمولی بنا رہے تھے۔ اہرام نے، زمین پر پہاڑ کی طرح ڈھونکے سنانا کرتے ہیں دفن لاشوں کو وہ اکھیڑ اکھیڑ کر لانے لگا۔ اس کی سوچ بنجارا تھی، جو دنیا کا کونا کونا سو نگھتی۔ اس کا تخیل زمین پر رینگتا، ہوا میں اڑتا۔ اس کی ذہانت سوال کھڑے کرتی، جواب ڈھونڈ کر لاتی۔ وہ جس بات کی کھوج میں نکلتا اس بات کا راز پاکر ہی لوٹتا۔

"کیسی عجیب کتاب ہے۔" اکثر میں کسی کتاب کے چند صفحے پڑھ کر اسے ایک طرف اچھال دیتا۔ وہ کتاب اور مجھے بیک وقت دیکھتا۔ کتاب اٹھاتا اور بس پہلی چند لائنیں پڑھ دیتا۔

"اندھیروں کی چاپ اس وقت بڑھ جاتی ہے، جب روشنیوں کی چال معذور ہونے لگے۔"

اس نے بلند آواز سے پڑھا اور میری طرف دیکھا۔

"جس کتاب کا آغاز اتنی بڑی سچائی سے ہو رہا ہے۔ اس کتاب کو تم عجیب کہہ رہے ہو۔"

جب وہ آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھ رہا تھا، اس وقت میں اندھیروں کی وہ چاپ سن رہا تھا، جو اس کی روشنیوں کو معدوم کر رہی تھیں۔ مجھے یاد آیا کہ جس کتاب کی پہلی سطر ایسی ہو سکتی ہے اس کتاب کا ختم شد کیا ہو گا۔ جس سمجھ داری سے اس نے ایسی باتیں سمجھنی شروع کردی ہیں اس کا۔ "ختم شد" بھی کیا ہو گا۔

✲ ✲ ✲

اس کی کتاب نے ادب کے حلقے میں شور برپا کر دیا تھا۔ نقادوں نے اس کی کتاب کا کوئی ایسا جملہ نہیں چھوڑا تھا جسے وہ زیر بحث نہیں لائے تھے۔ تجزیوں اور تعریفوں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ ایک دن اس نے مجھے ایک خط دکھایا۔ وہ خط اسے ایک مصنف نے لکھا تھا۔ خط کا لب لباب تو تعریف تھا لیکن اس میں کچھ ایسے گہرے طنز چھپے تھے جنہیں صرف وہ ہی سمجھ سکتا تھا۔ اسے تنقید بری نہیں لگی تھی۔ وہ تو مصنف کے منافقانہ انداز پر ہنس دیا تھا۔ بھلا جو بچپن سے آنکھوں کی تحریریں پڑھ رہا تھا، وہ خط میں چھپے لفظوں کے مطلب نہیں پڑھ سکتا تھا، خط کی ایک لائن میں کیسے

www.urdupalace.com

بھول سکتا ہوں۔ جس میں یہ اشارہ دیا گیا تھا کہ اس نے اپنی کتاب کو دوسری کتابوں سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

"جن کتابوں کے زیر اثر رہ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے یقیناً" وہ کتابیں بھی اعلا پائے کی ہوں گی۔"

زیر اثر تو وہ اس تخیل کے رہا تھا جو اس نے آنکھ کھولتے ہی جھیلا تھا۔ اس کتاب کے لیے اس نے کتنے سال تکلیف میں کاٹے تھے ہمیں جانتا تھا۔ رات رات بھر چپ، خاموش بیٹھ کر اس نے صرف چند جملے لکھے تھے۔ دوستوں کی گپ شپ کے دوران بسوں میں بیٹھے، موٹر سائیکل چلاتے، ٹرین کی چھک چھک کے ساتھ اس نے اپنے تخیل کے ساتھ کٹھن سفر کاٹے تھے۔ جس طرف لوگ سفر کر رہے تھے۔ وہ تو اس کی الٹی سمت کا مسافر تھا۔ ہم سالوں اور مہینوں کی باتیں کرتے اور وہ صدیوں اور قرنوں کی باتیں کرتا۔ اس کی دی ہوئی دلیلیں دم بخود کر دیتیں۔ وہ کسی کو متحرک کرنے کے لیے نہیں لکھتا تھا۔ نہ ہی اس نے عوام الناس کا کلیہ نکال کر قلم اٹھایا تھا کہ آج کل اس موضوع کی بہت مانگ ہے، چلو اس پر لکھتے ہیں۔ آج کل اس موضوع کی کتاب دھڑا دھڑ بکتی ہے میں بھی اسی موضوع پر لکھوں۔

اس کی کتاب ایک بینگ ثابت ہوئی۔ اس وقت میں جانتا تھا کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اچھی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں دراصل وہ یہ کہتے ہیں کہ "بس بھئی! ہماری کتاب کے ساتھ کسی اور کی کتاب اچھی نہ کہلائے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اچھے رائٹرز کے انتظار میں رہتے ہیں، ان کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ "ہمارے بعد کوئی رائٹر اچھا نہ آئے۔"

اس لیے کہ چل چلاؤ کتابوں میں اس نے "چشم بارہ" دے دیا تھا۔ تخیل جو کبھی انہیں چھو کر نہیں گزرا، وہ تخیل اسے چھو گیا، نابیناؤں میں ایک بینا ہو کر اس نے دکھا دیا۔ انہیں لگتا تھا کہ جو کام وہ نہیں کر سکے، جو وہ نہیں سوچ سکے وہ کسی اور نے کیسے کر اور سوچ لیا؟

اس کا غیر معمولی پن اس کے لیے عذاب بن گیا۔ وہ اس کتاب کو ایک ایسی کھونٹی بنا دینا چاہتے تھے۔ جس سے وہ اپنی کامیابی کا تمغہ نہ لگا سکے۔ ایسی کتاب دوبارہ ہرگز نہ لکھ سکے۔ چل چلاؤ کتابوں میں یہ فاش غلطی دوبارہ کر ہی نہ سکے۔ اس کی کتاب کی مقبولیت کو کم کرنے کے لیے انہوں نے ڈھول پیٹنے شروع کر دیے۔

☼ ☼ ☼

ایک دن اسے ایک پروڈکشن ہاؤس میں بلایا گیا۔ اس کی لمبی لمبی میٹنگ ہونے لگیں۔ وہ اسکرپٹ لکھنے لگا۔ کچھ عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس نے اسکرپٹ پر کام روک دیا ہے۔

"ڈرامے کے نام پر جو عورت نامہ اسکرین پر چلتا ہے، وہ میں نہیں لکھ سکتا۔ وہ میری پوری کہانی بدل دینا چاہتے ہیں۔ میں نے ایڈیٹنگ کے لیے ہاں کہی تھی۔ کہانی کا حلیہ خراب کرنے کے لیے نہیں۔ وہ چاہتے ہیں میں بار بار لڑکی کو باپ یا بھائی کے ہاتھوں سے پٹواؤں۔ روز روز گھر میں لڑائیاں کراؤں۔ ہر قسط میں کسی نہ کسی عورت کا کردار روئے، چلائے۔ بس کہانی نہ لکھوں، سیدھی سیدھی ٹی آر پی لکھ دوں۔ وہ کہتے ہیں اسکرین پر کیا ہٹ ہو گا۔ ہم جانتے ہیں، تم ادبی لوگ، کتابیں لکھنے والے تم کیا جانو کہ اسکرین پر کیا چلتا ہے۔ کس سین پر دیکھنے والے روتے ہیں، کس قسط کی ٹی آر پی زیادہ آتی ہے۔ ڈراما بنانا آرٹ نہیں کیمسٹری ہے۔ اگر ڈراما بنانا ایسی ہی کیمسٹری ہے تو پھر یہ اس کیمسٹری کے لیے رائٹرز کو زحمت کیوں دیتے ہیں۔ یہ اپنے چینل اور پروڈکشن ہاؤسز میں کیوں نہیں ایسا خام مال پیدا کر لیتے جو انہیں مشین کی طرح ان کی مرضی کی رٹی رٹائی چیزیں نکال نکال کر دیتے رہیں۔ جو چینل ہیڈ میری کتاب پر فدا تھی، وہ اسی کتاب پر لکھا میرا اسکرپٹ بار بار میرے سامنے پٹخ پٹخ کر پھینک رہی تھی۔ یہ ایسی تذلیل کے لیے رائٹر کو کیوں بلاتے ہیں۔"

"تذلیل کے لیے رائٹر کو کیوں بلاتے ہیں۔" یہ بات تو میں بھی آج تک نہیں سمجھ سکا۔ جس کہانی کو

www.urdupalace.com

اس نے اتنے سالوں کی [illegible] لاکھ کے عوض برباد نہیں کر سکتا تھا۔ سب لوگ اس کی کتاب پر ڈراما بنانے کے لیے بے چین تھے۔ لیکن کوئی بھی اس کی بات سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کونٹینٹ ہیڈ اسے فون پر فون کرتے، جب بات آگے بڑھتی تو وہی ٹی آر پی، وہی کہانی کا برباد حلیہ، وہی اسکرین کی کیمسٹری جیسے معاملات سامنے آتے۔ وہ دلیلیں دیتا، سمجھاتا پھر خاموش ہو جاتا۔

"میں اس سسٹم میں سروائیو نہیں کر سکتا۔"

اس کی ڈائری کے اس صفحے پر بس یہی ایک جملہ لکھا ہے۔ اگلے صفحے پر مہینوں کے وقفے کے بعد لکھا ہے۔

"ادب عالیہ کے ساتھ توفیق عالیہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کتابیں اور کہانیاں جتنی بلند پایہ کی ہوں، اس سے کہیں زیادہ بلند پایہ عوام الناس کو ہونا ہوگا۔ ورنہ نہ کتابیں زندہ رہیں گی، نہ انہیں لکھنے والے۔ میرا ذہن تخلیقات کی بھرمار سے بھرا ہوا ہے، میں انہیں باہر لانے کے لیے بے تاب ہوں لیکن لوگ انہیں اپنی ناقص عقل سے رد کردیں گے۔ یہ خوف مجھے ست کردیتا ہے۔ میں اپنی کہانیوں کو اپنے سامنے دم توڑتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ کوئی بھی غیرت مند مصنف اپنی کتاب پر جاہلوں کی نکتہ چینی نہیں سہہ سکتا۔ یہ جاہل تخلیق کو "نطوائف" سمجھتے ہیں کہ گالی دے لی، دھتکار دیا، ورنہ نیکی کے پلڑے میں تول کر بدی کے پلڑے کی طرف اچھال دیا کہ لو یہ اسی قابل ہے، بدکردار، غیر شرعی، ہونہہ۔

جن لوگوں نے ساری زندگی دو ڈھنگ کی کتابیں نہیں پڑھیں وہ مجھے کہتے ہیں کہ "یہ میں نے کیا لکھا ہے، یہ تو ٹھیک نہیں۔"

جو لوگ ایک جملہ لکھنا نہیں جانتے وہ میرے جملوں پر ریڈ پین سے لائن لگاتے ہیں کہ "یہ بے معنی سا جملہ اسکرین پر نہیں آئے گا۔"

جو لوگ فون پر فون کر کے مجھے چینل بلاتے ہیں وہ مجھے پاس بٹھا کر سمجھاتے ہیں کہ "آپ بھی پیسے کمائیں، جو جی میں آتا ہے ہمیں لکھ کر دے دیں، پھر [illegible] اور ڈائریکٹر۔ آپ کو اپنے پیسوں سے مطلب ہونا چاہیے۔"

مجھے ہنسی آتی ہے ان لوگوں پر جنہوں نے کبھی اسکرین آرٹ کی تعریف نہیں پڑھی وہ مجھے اسکرین کی کیمسٹری سمجھاتے ہیں۔ جو لوگ اسکرین پلے کی الف بے سے واقف نہیں ہیں وہ مجھے بتاتے ہیں کہ مجھے سین میں اسکرین پلے کتنا لکھنا ہے۔ کچھ تو کہتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے اسکرین پلے لکھنے کی، بس کام چلاؤ، اپنا وقت بچاؤ، پیسہ کماؤ۔

ایک کونٹینٹ ہیڈ میری کہانی کی تعریف میں رطب اللسان ہوتی رہی۔ پھر اس نے ہفتوں مجھے یہ سمجھانے میں لگا دیے کہ دیکھو تم اچھے مصنف تو ہو گے لیکن اچھے اسکرپٹ رائٹر نہیں ہو۔ تم اچھی کہانی لکھ سکتے ہو لیکن اچھا ڈراما نہیں، اس لیے جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یہ وہ کونٹینٹ ہیڈ ہے جس کے کریڈیٹ پر ایک بھی ڈراما نہیں۔ جو مجھ جیسے رائٹرز کے ساتھ رابطہ تو بہت شوق سے کرتی ہے اور اسی شوق سے انہیں "اسکرین کیمسٹری" سمجھاتے سمجھاتے برباد کردیتی ہے۔ یہ سب چینل پالیسی، ٹی آر پی، عوامی رائے، عورتوں کی پسند ناپسند کی آڑ میں اسکرپٹ کا حلیہ برباد کردیتی ہیں کیونکہ یہ خود کسی قابل نہیں ہوتیں۔ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ اسکرپٹ لکھنا کسے کہتے ہیں۔ اپنے اندر وہ قابلیت کے نام پر "کام" رکھتی ہیں اور ہماری قابلیت کو بھی "صرف کام" بنا دینا چاہتی ہیں۔ وہ خود کچھ نہیں سمجھ سکیں تو ہمیں بھی سمجھنے نہیں دینا چاہتیں۔

ایک نے میرا لکھا اسکرپٹ میز پر اچھال کر کہا "اس کی ٹو پوائنٹ ٹو سے زیادہ ریٹنگ آگئی تو میں ریزائن کردوں گی۔" جس نخوت اور ہتک سے اس نے فقرہ کہا، اس نے مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کردیا کہ مجھے ڈراما نہیں لکھنا چاہیے۔ اتنی جلدی ان لوگوں نے مجھے اپنے حساب کتاب سے ناکارہ ثابت کردیا۔ جبکہ یہ سب مل کر سسٹم ناکارہ کر رہے ہیں۔

میں سمجھ گیا کہ عصام ایسے لوگوں کے روبرو ہو گیا

www.urdupalace.com

تھا جو رتی، ماشہ تولہ ہر کم و[illegible] سے وزنی تھے۔ جس کھوٹ کے وہ مالک تھے، عصام اس کھوٹ سے ناواقف تھا۔ وہ سمجھتے تھے وہ تو پیتل کو رگڑا مار مار کر سونا بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ وہ تو الٹا سمجھ داری کر رہے ہیں۔

"عصام کہانی تو لکھ سکتا ہے لیکن ڈراما نہیں۔"

ان سب نے مل کر مشہور کر دیا۔ یہ بھی کہا جانے لگا کہ وہ ان پروفیشنل ہے۔ وہ واقعی میں ان پروفیشنل تھا۔ پروفیشنل ہوتا تو خود غرض ہوتا، سطحی، دھوکے باز، حاسد، مکار، بے حس، مغرور، منافق ہوتا۔ اس وقت زندہ ہوتا۔

✡ ✡ ✡

ڈراما لکھنے کا فیصلہ چینٹیوں کی قطار کی طرح کچھ وقت تک تو سیدھ میں نبھتا رہا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے فیصلے اور حالات کے فیصلوں میں فرق ہوتا ہے۔ گھر کے معاشی حالات ایسے نہیں تھے کہ وہ ضد کی سیدھ میں چلتا ہی جاتا یا تو اسے کوئی جاب کرنی تھی یا اسے اپنے لکھنے کے کام سے پیسے کمانے تھے۔ تنگ دستی وہ سانپ تھی جو اس کے قلم کی بین پر ناچنے والی نہیں تھی۔

اس نے پھر ڈراما لکھنے کا فیصلہ کیا۔ جس رائٹر کا وہ بہت بڑا فین تھا اس بار اس کے ساتھ۔ اسے یقین تھا کہ جو چیز دوسرے نہیں سمجھ سکے وہ ایک رائٹر سمجھے گا۔ ذہنی مطابقت جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہو سکی تھی وہ ایک رائٹر کی دوسرے رائٹر کے ساتھ ہو جائے گی۔ ایک ہی طرح کے دو لوگ مل کر ایک پروجیکٹ پر کام کریں گے تو نتیجہ بہترین آئے گا۔ یہ اس کی زندگی کا وہ فیز تھا، جس میں اس نے بہت سی چیزوں کے ساتھ کمپرومائز کرنا شروع کر دیا تھا۔

"فی الحال میں نے خود کو ذہنی طور پر کمپرومائز کے لیے تیار کر لیا ہے۔ ضروری نہیں کہ جس آزادی سے میں کہانیاں لکھتا ہوں اسی آزادی سے اسکرپٹ بھی لکھوں۔ سسٹم کے ساتھ تھوڑا بہت کمپرومائز کرنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن تم دیکھنا ایک دن میں اپنی مرضی کا کام [illegible] پر ایک دن مجھے پوری آزادی حاصل ہوگی۔ پھر لوگ دیکھیں گے اسکرین آرٹ کسے کہتے ہیں۔"

اس کا جوش دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ کہانیوں میں اس کی مہارت، کردار نگاری کا عروج، لفظوں کا سحر طاری کرتا جال یہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ اس کا اسکرپٹ کس پائے کا ہوگا۔ وہ بیک وقت پچاس کردار لکھ سکتا تھا۔ ایک کہانی کو ہزار رنگ دے سکتا تھا۔ اس کے قلم کی نوک سنگ تراش کا اوزار تھی، ضرب و نقش بیک وقت بھی اور بروقت بھی۔

اب لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ باقاعدہ مصنف تھا، قدرت نے اسے بنیاد سے مصنف بنایا تھا۔ میں کہتا ہوں وہ باقاعدہ ادیب اس بے قاعدہ دنیا میں بے بنیاد آگیا تھا۔ اس کی مہارت، اس کا فن، اس کے شعور کی گہرائی، اس کی لفاظی، اس کی شخصی لغت بھی اسے اس بے قدری جیسے ناسور سے بچانے میں ناکام رہی تھی، جو کچھ کامیاب لوگوں کا تکبر اور احساس برتری مہارت سے اس کے اندر کھود کر دبا رہا تھا۔ میں آج تک سمجھ نہیں سکا کہ لوگ اسے تسخیر کرنا چاہتے تھے یا شکستِ فاش سے دوچار۔ اس کے شعبے کے لوگ اس سے متاثر زیادہ تھے یا حاسد؟ اس کی مردہ "ڈائری" کا فوری لفظ میری انگلیوں کی پوروں کے نیچے آخری سانسیں لینے لگے ہیں۔

اس نے کام شروع کر دیا۔ کاش اس نے وہ کام شروع نہ کیا ہوتا۔ کاش میں نے بھی اس سے نہ کہا ہوتا کہ اپنے رویے میں لچک لاؤ۔ کاش میں نے اسے پچاس دوسرے رائٹرز کی مثال نہ دی ہوتی کہ دیکھو وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ یہ نہ کہا ہوتا کہ خود کو برباد نہ کرو، جو مل رہا ہے وہ کرو، کر لو کمپرومائز۔ آرٹ کی خدمت کا تم نے ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ جہاں سب "کام" لکھ رہے ہیں تمہیں "آرٹ" لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم کتابوں سے اتنے پیسے نہیں کما سکتے، ڈراما لکھ کر ہی تم کچھ اچھے پیسے حاصل کر سکتے ہو۔ ہمارے ملک میں ادیب کبھی امیر نہیں ہوتا، تم ڈراما

www.urdupalace.com

لکھو اور ان سب معاشی مسائل سے نکل آؤ۔
پہلی قسط لکھنے سے پہلے تک وہ ہر روز اپنی ڈائری لکھتا رہا تھا۔ ان دنوں اس کے لفظ موتی تھے۔ ان کی خوشبو پھول تھی۔ کافور نہیں۔ اسکرپٹ کی پہلی' دوسری قسط لکھنے کے بعد اس کی ڈائری خاموش رہنے لگی۔ صفحے خالی نظر آنے لگے۔ ہفتوں گزر گئے' ان پر سیاہی کا ایک دھبا بھی نہ پڑا۔ پھر ایک صفحے پر کچھ مبہم سا لکھا تھا۔

"میں نے سنا تھا' مصنف حساس ہوتا ہے۔ کیا حساسیت یک طرفہ ہوتی ہے؟ یا وقت پڑنے پر استعمال میں لائی جاتی ہے؟"

پھر بہت سے صفحات کی خاموشی اور چند لائنیں۔

"میرا بہترین سین کاٹ دیا جاتا ہے۔ معمولی سی باتوں پر لمبی لمبی بحث صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں کوڑھ مغز ہوں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" "میں کوڑھ مغز ہی ہوں' مجھے کچھ معلوم نہیں لیکن کیا اسے ثابت کرنے کے لیے ایک مناسب انداز نہیں اپنایا جاسکتا۔ ایک تخلیق کار کے الفاظ اور لہجے میں اتنی رعونت' میں سوچتا ہوں کہ انکساری کیا صرف ایک لفظی حقیقت ہے جسے زبان سے ادا کیا جاتا ہے۔ بس؟ کیا اس انکساری کو عمل میں نہیں لایا جاسکتا؟ میں یہ بھی سوچنے لگتا ہوں کہ برا انسان دراصل ہوتا کون ہے' وہ جس کا ظرف برا ہوتا ہے؟ یا وہ جس میں انسانیت کا مزاج بڑا ہوتا ہے۔" میں بلند" ہو جاتا ہے تو اسے زیادہ جھکنے والا ہو جانا چاہیے تاکہ زیادہ اکڑنے والا" تکبر کا وکیل تو ہر دلیل پر ذلیل ہے۔"

ڈائری کے اس صفحے نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں یہیں رک جاؤں' آگے پڑھنے کی کوشش نہ کروں۔ پنکھے کی ہوا سے ڈائری کے صفحات پھڑپھڑا رہے ہیں۔ یہ میری انگلیاں' یہ کیوں کپکپا رہی ہیں۔

"میں نے اسکرپٹ کی تین قسطیں بھجوا دی ہیں۔ تعریف کے بدلے میں مجھے لمبی تقریر سننے کے لیے ملتی ہے۔ میں سمجھ نہیں پا رہا کہ وہ کس بات پر خفا ہیں۔ اس سے کہ جو انہوں نے کہا۔

میں بالکل ویسا ہی لکھ کر دے رہا ہوں یا اس چیز سے کہ آخر میں وہ کیسے لکھ کر دے رہا ہوں' جو جو انہوں نے کہا۔ میں غلطی کیوں نہیں کر رہا' میں کہیں کوئی کمی کیوں نہیں رہنے دے رہا۔ انہوں نے انڈسٹری کو ہٹ ڈرامے دیے ہیں۔ اس بنا پر صرف انہیں ہی علم ہے کہ ڈراما کیسے لکھا جاتا ہے۔ مجھے بار بار احساس دلایا جاتا ہے میں نے ابھی تک کوئی کام نہیں کیا میں کیسے صحیح اور غلط کو جان سکتا ہوں۔ کیا میری قابلیت اسی وقت ثابت ہوگی جب میں ڈراموں کی ایک لمبی لائن لگا دوں۔ اگر ایسا ہی تھا تو میری پہلی کہانی کو شائع نہیں ہونا چاہیے تھا کیونکہ میری پہلی کہانی سے پہلے میری کہانیوں کی کوئی لمبی لائن نہیں لگی تھی۔ مصنف کے قلم پر اعتماد نہیں کیا جائے گا تو ادب کے نام پر دہرائی ہوگی۔"

اس کی ڈائری نے ایک لمبی خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے وہ دن یاد ہیں' ان دنوں اس کا گھر میں کوئی پارسل نہیں آتا تھا۔ وہ دنیا اور اس دنیا کے کارخانے سے لاتعلق ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم اسکرپٹ نہیں لکھ رہے؟" ایک دن میں نے پوچھا۔

"جانتے ہو ٹو پوائنٹ ٹو کتنے ہوتے ہیں؟"

مجھے یاد تھا کہ ایک چینل کی ایڈیٹر نے اس کے اسکرپٹ کے بارے میں کیا کہا تھا۔ اسی لیے میں یہ چاہتا تھا کہ اس کی یادداشت اتنی اچھی نہ ہو۔ اسے شیزوفرینیا کا مرض لاحق ہو جائے۔ وہ باتیں بھولنے لگے۔

"تم نے میری کتاب پڑھی اور مذاقاً" کہا کہ تم میری کتاب کو از خود مین بکر پرائز کے لیے سلیکٹ کرتے ہو۔ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ میں دوسرے درجے کا ناکارہ رائٹر ہوں۔"

میں خاموش اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ غصے میں تھا یا غمگین' میں جان نہیں سکا۔ اس کی آنکھیں دھندلائی ہوئی تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے میرے سامنے کچھ پیپرز رکھے۔ یہ اس کے اسکرپٹ کا پلندہ

www.urdupalace.com

تھا۔ جسے وہ رات دن ایک کر کے لکھتا رہا تھا۔ اس نے کمپرومائز کرنے کے لیے خود کو تیار کر لیا تھا اسی لیے اس اسکرپٹ کو نہ جانے کتنی بار تبدیل کر چکا تھا۔ جو سین' اور مکالمے ٹھیک تھے' انہیں بھی وہ ہدایات پر بدلتا رہا تھا۔ اس اسکرپٹ پر جگہ جگہ ریڈ پین سے کراس کے نشانات تھے۔

"یہ تمہارا اسکرپٹ ہے عصام؟"

"یہ اسکرپٹ نہیں ہے۔ یہ تو ایک ناکام رائٹر کا وہ پرچا ہے' جس پر اسے دو نمبر ملے ہیں۔ میری ساری محنت پر مجھے یہ سننے کو ملا۔

"مسٹر عصام! اگر آپ کو اس اسکرپٹ پر بہت زیادہ نمبر بھی دیے جائیں تو یہ دو سے زیادہ نہیں ہوں گے۔"

میں دنگ اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ ایک رائٹر دوسرے رائٹر کو نمبر دے رہا ہے۔

"تم دوبارہ مجھے کبھی اسکرپٹ لکھنے کے لیے نہیں کہو گے۔ میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا لوں گا۔ کوئی جاب ڈھونڈ لوں گا۔"

اس کے بعد اس کی ڈائری پھر سے خاموش ہو جاتی ہے۔ اس لمبی خاموشی میں ایک اور فقرہ گونجتا ہے۔

"آپ اپنے بچوں کے لیے کیا مثال سیٹ کر رہے ہیں۔ سستی اور کاہلی آگ کا دریا ہے آپ کے لیے' آپ اسے پار نہیں کر سکتے۔ آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے مسٹر عصام۔"

اس ڈائری نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ دکھ سے یا شاید پھر خوف سے کپکپا رہا ہوں۔ عصام جو اپنی پہلی تحریر کی خوشی اس لیے نہیں منا سکا کہ اسے لگا اس نے کسی کے دکھ پر کامیابی حاصل کی ہے۔ وہ عصام ان فقروں کو اپنے اندر ناسور بننے سے کیسے روک سکا ہو گا۔ میں تو ابھی بھی اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس ناسور کا پیچ کہاں سے پھوٹا' جو اسے زندگی سے اتنا دور لے گیا۔ اس نے جاب کے لیے کوشش شروع کر دی۔ جو اس کی مداح ہونے کا دعوا کرتی تھی' ان میں سے اس نے ایک سے کہا۔

"میں نے سنا ہے آپ کے پروڈکشن ہاؤس کو کونٹینٹ ہیڈ کی ضرورت ہے' آپ پروڈکشن کی ہیڈ سے میرے لیے بات کریں۔ میں کہانیوں اور اسکرین کو بہت اچھی طرح سے سمجھتا ہوں۔ بہت سے فریش آئیڈیاز پر اچھے اسکرپٹ لکھوا سکتا ہوں۔ ڈراما انڈسٹری میں نئے تھیم لا سکتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ میں تمہارے لیے بات کرتی ہوں۔ میں تو ویسے ہی تمہاری بہت بڑی فین ہوں۔"

بات اس نے واقعی ہی کی' لیکن کسی اور کے لیے۔ اس کے لیے جو اس سے قابلیت میں کم تھا' جو ان کے انڈر رہ سکتا تھا۔

اس کی ڈائری کے خالی سوگوار صفحے پر ایک فقرہ لکھا تھا۔

"مجھے یقین ہونے لگا ہے' دنیا ناک تک لالچ اور خود غرضی کی علت سے بھر چکی ہے۔ مجھے لگتا تھا کہ میں لوگوں کو جانتا ہوں۔ یہ لوگوں کی خرابی ہے کہ ان کے اصلی چہرے دکھائی نہیں دیتے۔ یا میری اپنی خامی کہ اصلیت جان نہیں سکتا۔"

اگر دنیا لالچ اور خود غرضی کی علت میں گرفتار تھی تو وہ بھی ہو جاتا' لیکن زندہ تو رہتا۔ لوگ مر جاتے ہیں' پھر دنیا اپنے سوگ کا ڈراما شروع کرتی ہے۔ اب اس کے لیے لمبے لمبے کالم لکھے جا رہے ہیں۔ اس کی قابلیت پر تبصرے کیے جا رہے ہیں۔ پوسٹ پر پوسٹ آ رہی ہے۔ وہ کتنا عظیم اور جینئس رائٹر تھا' سب کو یاد آ رہا ہے۔ اس کی کتابوں کے اقتباسات شیئر کیے جا رہے ہیں۔

کیا میں بھی اس کی ڈائری شیئر کر دوں۔ وہ خالی صفحات جن پر اس نے کچھ نہیں لکھا' ان پر ان کا کہا لکھ کر سب کے سامنے رکھ دوں۔

اب جب میں نے اس کی بند آنکھوں کی ساری تحریر پڑھ لی ہے تو کیا میں سرخ روشنائی سے لکھ دوں کہ "وہ تو مر گیا لیکن ہم سب منافق' متکبر' حاسد' بے حس' خود غرض' کم ظرف زندہ ہیں۔"